AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اکیسویں صدی کے پاکستانی اردو افسانے کے دیہی کردار: ایک تجزیاتی مطالعہ

RURAL CHARACTERS OF PAKISTANI URDU SHORT STORIES OF THE 21ST CENTURY: AN ANALYTICAL STUDY

صداقت علی عمرانی
پی ایچ ڈی اُردو سکالر، شعبہ اردو مُسلم یوتھ یونیورسٹی اسلام آباد
ڈاکٹر جاوید اقبال گُنجیال
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، (ایڈجنک فیکلٹی) مُسلم یوتھ یونیورسٹی اسلام آباد

Sadaqat Ali Imrani
PHD Urdu Scholor, Urdu Department MY University Islamabad
Dr.Javed Iqbal Gunjial
Assistant Professor Urdu Department (Adjunct Faculty) MY University Islamabad

Abstract

This study analytically examines the representation of rural characters in Pakistani Urdu short stories of the twenty-first century. It explores how contemporary short-story writers portray rural society and its characters in relation to class conflict, economic exploitation, gender issues, traditional values, migration, and the conflict between tradition and modernity. The study also focuses on the psychological and emotional dimensions of rural characters and their changing identities in response to contemporary social conditions. The analysis of selected short stories by prominent Pakistani Urdu writers reveals that rural characters are not merely representatives of traditional rural life; rather, they reflect the changing socio-cultural realities of Pakistani society. Thus, twenty-first-century Pakistani Urdu short fiction presents rural characters as dynamic figures who embody both cultural continuity and social transformation

Keywords

Pakistani Urdu Short Story, Twenty-First Century, Rural Characters, Rural Society, Rural Culture, Class Conflict, Economic Exploitation, Gender Issues, Tradition and Modernity, Migration, Rural Psychology, Socio-Cultural Change

اردو افسانہ اردو ادب کی ایک اہم اور مؤثر صنفِ نثر ہے جس نے اپنے ارتقائی سفر میں انسانی زندگی کے متنوع پہلوؤں، معاشرتی رویوں، تہذیبی اقدار، طبقاتی تضادات اور بدلتے ہوئے سماجی حالات کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ افسانے کی فنی تشکیل میں پلاٹ اور کردار کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ کردار ہی افسانوی واقعات کو زندگی، حرکت اور معنویت عطا کرتے ہیں۔ افسانہ نگار اپنے کرداروں کے ذریعے نہ صرف کسی مخصوص معاشرتی ماحول کی تصویر پیش کرتا ہے بلکہ ان کے باطن، نفسیاتی کیفیات، جذبات، مسائل اور رویوں کے وسیلے سے معاشرے کی داخلی ساخت کو بھی نمایاں کرتا ہے۔

پاکستانی معاشرے کی تشکیل میں دیہی زندگی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ دیہات اپنی مخصوص تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی اور معاشی روایات کے باعث شہری معاشرے سے ایک جداگانہ شناخت رکھتے ہیں۔ دیہی معاشرت میں رائج روایات، اقدار، رسم و رواج، طبقاتی نظام، خاندانی تعلقات، مذہبی تصورات، معاشی مسائل اور باہمی روابط نے اردو افسانے کو ایک ایسا موضوعاتی اور کردار آفرین ماحول فراہم کیا ہے جس میں زندگی کے متعدد حقیقی اور فطری رنگ نمایاں ہوتے ہیں۔ اسی لیے اردو افسانے میں دیہی کردار محض کہانی کے واقعات کو آگے بڑھانے کا ذریعہ نہیں بلکہ اپنے عہد کی سماجی، تہذیبی اور فکری صورتِ حال کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔

اکیسویں صدی میں پاکستانی اردو افسانے نے بدلتے ہوئے سماجی حالات کے ساتھ دیہی زندگی اور اس سے وابستہ کرداروں کو بھی نئے تناظر میں پیش کیا ہے۔ اس دور کے افسانہ نگاروں کے ہاں دیہی کردار روایتی زندگی کے نمائندہ ہونے کے ساتھ ساتھ جدید معاشرتی تبدیلیوں، طبقاتی کشمکش، معاشی ناہمواری، ہجرت، تعلیم،

روزگار، بیرونِ ملک جانے کے رجحان، روایت اور جدیدیت کے تصادم اور نفسیاتی کشمکش کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ یوں اکیسویں صدی کا دیہی کردار ایک جامد اور یک رخی کردار نہیں رہتا بلکہ بدلتے ہوئے معاشرتی حالات کے ساتھ اس کی فکر، رویے اور نفسیات میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

اس عہد کے نمایاں افسانہ نگاروں میں علی اکبر ناطق، حفیظ خان، ڈاکٹر حمید شیخ، حامد سراج، واجد تبسم، نیلم احمد بشیر، پروین عاطف، ڈاکٹر صفیہ مشتاق، سید قاسم محمود، ڈاکٹر خالد جاوید اور حمید شاہد وغیرہ کے ہاں دیہی کردار مختلف صورتوں میں سامنے آتے ہیں۔ بعض افسانہ نگار دیہی زندگی کی تہذیبی و ثقافتی اکائیوں کو نمایاں کرتے ہیں، بعض طبقاتی کشمکش اور استحصال کو موضوع بناتے ہیں، جب کہ بعض کے ہاں دیہی عورت کے مسائل، روایتی معاشرت، توہم پرستی، مذہبی تصورات اور بدلتے ہوئے سماجی رویے اہمیت اختیار کرتے ہیں۔

اکیسویں صدی کے افسانوی دیہی کرداروں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے مسائل اور نفسیاتی کیفیات محض مقامی سطح تک محدود نہیں رہیں۔ دیہی معاشرے کے بعض کردار روزگار، تعلیم اور بہتر مستقبل کی تلاش میں شہروں اور بیرونِ ملک کا رخ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس عمل کے نتیجے میں ان کرداروں کے اندر روایت اور جدیدیت، آبائی ماحول اور نئے معاشرتی تجربات کے درمیان کشمکش پیدا ہوتی ہے۔ یوں دیہی کردار ایک ایسے انسان کی علامت بن جاتا ہے جو ایک طرف اپنی تہذیبی جڑوں سے وابستہ ہے اور دوسری طرف جدید دنیا کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔

اردو افسانے کے فنی محاسن میں پلاٹ اور کرداروں کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ افسانے کے ناقدین نے افسانے کے فن کی ذیل میں ان دونوں فنی محاسن پر خاص توجہ مبذول کی ہے اور افسانے میں پلاٹ اور کرداروں کے مابین باہمی ربط بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ افسانے میں پلاٹ اور کرداروں کے مابین باہمی ربط بھی اہم حیثیت کا حامل ہے۔ یہ دونوں فنی محاسن ایک دوسرے سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں اور ان کی باہمی ہم آہنگی سے افسانے کا مجموعی تاثر پیدا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید افسانے میں پلاٹ اور کرداروں کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "افسانے کی پیشکش میں پلاٹ اور کردار اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ پلاٹ افسانے کا تانہ بانہ تیار کرتا اور اس کے تاثر کو کسی مخصوص ہیئت میں لے جانے میں معاونت کرتا ہے۔ پلاٹ قاری کے جذباتی مد و جزر کو ابھارتا ہے اور کلائمیکس اور پھر کلائمیکس سے گزار کر اس جذباتی مد و جزر کو فنی خوبی سے مائل بہ اعتدال کرتا ہے۔ کردار پلاٹ کے اس تانے بانے میں نہ صرف حقیقت کا رنگ بھرتا ہے بلکہ اس میں زندگی کی حرکت اور حرارت بھی پیدا کرتا ہے۔"(۱)

اردو افسانے میں پلاٹ اور کردار کی یہ اہمیت دیہی اور شہری معاشرہ دونوں حوالوں سے لکھے گئے افسانوں میں نمایاں نظر آتی ہے۔ اردو افسانے میں کرداروں کے تناظر میں ہی شہری اور دیہی معاشرت کے مابین امتیاز اور حدِ فاصل قائم ہوتی ہے۔ دیہی معاشرت کے کردار اپنی روایات اور اقدار کے ساتھ ہم آہنگ نظر آتے ہیں یہ کردار اپنے رویوں اور عادات و اطوار کی بنیاد پر بھی شہری معاشرت سے مختلف حیثیت میں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید اپنے مضمون دیہات کے افسانے میں پلاٹ کردار اور ماحول کی اہمیت کے ذیل میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "برصغیر پاک و ہند کے ماحول کے حوالے سے شہر اور دیہات کی تقسیم بہت پرانی ہے۔ شہر تمدنی طرز کا مظہر ہے اور اولین نقطہ ہے۔ جہاں سے یہ تمدنی ترقی شروع ہوئی ہے۔ بالالفاظ دیگر جنگل و شہر کی زندگی میں دیہات نقطہ اتصال ہے۔ اس اعتبار سے دیکھیے تو جنگل کی زندگی کے بعد تہذیب کی اوالین کرن دیہات میں پیدا ہوئی۔ چنانچہ دیہاتی تمدن قدیم ترین شمار کیا جا سکتا ہے۔ شہر کی نسبت دیہات میں زندگی کی رفتار سست ہے۔ لہٰذا اس تمدنی ترقی کے آثار بھی زیادہ تیزی سے رونما نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ دیہات نے اپنا اصل چہرا طویل عرصے سے مسخ نہیں ہونے دیا۔"(۲)

اکیسویں صدی کے اردو افسانہ نگاروں کے ہاں دیگر موضوعات کے ساتھ دیہی معاشرت کی ذیل میں دیہی کرداروں کی پیشکش بھی نمایاں صورت میں نظر آتی ہے۔ علی اکبر ناطق کا افسانوی مجموعہ "قائم دین" 2012 میں شائع ہوا۔ اس افسانوی مجموعے کی بنیاد پر علی اکبر ناطق کو اکیسویں صدی کے جدید افسانہ نگاروں میں نمایاں حیثیت حاصل ہوئی۔ اس افسانوی مجموعے میں زیادہ تر کردار دیہی معاشرت سے جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جدید اردو افسانے میں حفیظ خان کا نام بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ حفیظ خان کا تعلق سرائیکی خطے سے ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں طبقات کی کش مکش اور خاص طور پر دیہی طرز معاشرت میں پائے جانے والے مسائل کو اجاگر کیا ہے۔ حفیظ خان کے متعدد شعری مجموعے اکیسویں صدی میں شائع ہوئے ہیں۔ ان کے افسانوں کا ایک اہم موضوع عورت ہے۔ حفیظ خان نے معاشرے میں عورت کو درپیش مسائل کو بخوبی اجاگر کیا ہے۔ حفیظ خان کی افسانہ نگاری معاشرتی حقائق سے ہم آہنگ نظر آتی ہے۔ منشایاد حفیظ خان کو راست فکر اور حقیقت پسند افسانہ نگار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "حفیظ خان ایک راست فکر اور حقیقت پسند کہانی کار ہیں اور ایک ایسے حقیقت نگار جو اپنے مشاہدے اور تجربے کو کسی طرح کی ملاوٹ کے بغیر پوری سچائی اور جرات کے ساتھ پیش کرنے کی اہمیت رکھتے ہیں۔"(۳)

حفیظ خان کا افسانوی مجموعہ "یہ جو عورت ہے" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس افسانوی مجموعے میں حاصل جمع، کس کے ساتھ، آٹے کی عورت اور قابل سمیت سولہ دیگر افسانے شامل ہیں۔ افسانوی مجموعہ "یہ جو عورت ہے" الحمد پبلیکیشنز لاہور سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔

حفیظ خان کا دوسرا اہم افسانوی مجموعہ "تن من سیس سریز" کے عنوان سے ہے۔ یہ افسانوی مجموعہ ملتان انسٹیٹیوٹ آف ریسرچ سینٹر ملتان سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔

اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں میں ایک اہم نام ڈاکٹر حمید شیخ کا بھی ہے۔ ڈاکٹر حمید شیخ کے افسانے بھی دیہی طرزِ معاشرت سے جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حمید شیخ کا پہلا افسانوی مجموعہ ۲۰۰۱ء میں الفیصل ناشران لاہور سے شائع ہوا۔

"پیر تسمہ پا" کے عنوان سے شائع ہونے والے اس افسانوی مجموعے میں قدموں تلے، چراغِ سحری، مقابلہ، دوسرا مطلب، سلامتی اور سیاست سمیت تیئس دیگر افسانے شامل ہیں۔ حمید شیخ کے بیشتر افسانے دیہی طرزِ معاشرت سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں دیہی کرداروں کے پس منظر میں دیہی طرزِ معاشرت کی تہذیبی و ثقافتی اکائیوں کو بخوبی اجاگر کیا ہے۔

خواتین افسانہ نگاروں میں واجدہ تبسم کا نام بھی اہم حیثیت کا حامل ہے۔ واجدہ تبسم کے افسانوں میں شہری اور دیہی طرز معاشرت کی مخلوط صورتیں نظر آتی ہیں۔ واجدہ تبسم کا افسانوی مجموعہ "واجدہ تبسم کے بہترین افسانے" کے عنوان سے ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔ خواتین افسانہ نگاروں میں ایک اہم نام نیلم احمد بشیر کا بھی ہے۔ نیلم احمد بشیر کے بیشتر افسانوی مجموعے اکیسویں صدی میں ہی شائع ہوئے ہیں۔ ان کے اہم افسانوی مجموعوں میں گلابوں والی گلی، لے سانس بھی آہستہ اور جگنو کے قافلے بھی شامل ہیں۔ ان کے اہم افسانوں میں ماں، کاغذ کے پرزے، کیکٹس کا پھول، اپنی اپنی مجبوری، شریف، تھوڑی سی کہانی، لالی کی بیٹی، چارہ گر اور صدقہ وغیرہ شامل ہیں۔ نیلم احمد بشیر کے زیادہ تر افسانے شہری طرز معاشرت کے ساتھ جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تاہم ان کے بعض افسانوں میں دیہی طرز معاشرت کی بھی عکاسی ملتی ہے۔ نیلم احمد بشیر نے اپنے افسانوں میں خصوصیت کے ساتھ طبقہ نسواں کو معاشرتی سطح پر درپیش مسائل کی پیشکش کی ہے۔

اکیسویں صدی کی خواتین افسانہ نگاروں میں پروین عاطف کا نام بھی شامل ہے۔ پروین عاطف کے افسانوں میں بھی شہری اور دیہی دونوں حوالوں سے افسانے ملتے ہیں۔ پروین عاطف کا افسانوی مجموعہ میں میلی بیا جلے خاص اہمیت کا حامل ہے۔

ڈاکٹر صفیہ مشتاق بھی اکیسویں صدی کی خواتین افسانہ نگاروں میں شامل ہیں۔ ان کا افسانوی مجموعہ دمکتے جگنو الوقار پبلیکیشنز لاہور سے ۲۱۰۴ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر صفیہ مشتاق کے اس افسانوی مجموعے میں دمکتے جگنو، غلام، راہِ نجات، شبِ مبارک اور میٹھی چھری سمیت سترہ دیگر افسانے شامل ہیں۔ ڈاکٹر صفیہ مشتاق کے افسانوں میں خصوصیت کے ساتھ مشرقی اقدار اور روایات کا اظہار ملتا ہے۔ ان کے نسائی کردار بھی مشرقی روایت و اقدار کی پاسداری کرتے نظر آتے ہیں۔

سید قاسم محمود کا افسانوی مجموعہ ۲۰۱۲ء میں الفیصل ناشران لاہور سے "سید قاسم محمود کے افسانے" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ سید قاسم محمود حلقہ ارباب ذوق سے وابستہ افسانہ نگار ہیں۔ جدید اردو افسانے میں ڈاکٹر خالد جاوید اسراں کا نام بھی شامل ہے۔ ان کا ایک اہم افسانوی مجموعہ "سربریدہ سائے" کے عنوان سے آرٹ لینڈ لیہ سے ۲۰۲۱ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر خالد جاوید کے دیگر افسانوی مجموعوں میں آبلہ پا، درنداں اور شہر افلاس شامل ہیں۔ ڈاکٹر جاوید خالد جاوید کے افسانوں میں دیہی اور شہری دونوں طرز کے کرداروں کی عکاسی نظر آتی ہے۔

اکیسویں صدی کے اردو افسانہ نگاروں میں حمید شاہد کا نام بھی شامل ہے۔ حمید شاہد کے افسانوی مجموعے میں ایک اہم مجموعہ "آدمی" کے عنوان سے ہے۔ یہ مجموعہ ۲۰۱۳ء میں مثال پبلکیشنز فیصل آباد سے شائع ہوا۔ اس افسانوی مجموعے میں شہری اور دیہی دونوں صورتوں میں کرداروں کی پیشکش نظر آتی ہے۔ افسانوی مجموعہ آدمی میں سانس لیتا ہے کہیں، کیس ہسٹری اور آدمی کا بکھراؤ سمیت پندرہ دیگر افسانے شامل ہیں۔

اکیسویں صدی کے اہم افسانہ نگاروں میں ایک اہم افسانہ نگار حامد سراج بھی ہیں۔ حامد سراج کا شمار ان افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے جن کے افسانہ نگاری کا سلسلہ بیسویں صدی میں شروع ہوا لیکن ان کی شہرت اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں میں بھی نمایاں رہی ہے۔

ان کے افسانوی مجموعے میں وقت کی فصیل، برائے فروخت، چوب دار اور بخیہ گری وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام افسانوی مجموعے اکیسویں صدی میں شائع ہوئے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں دیہی معاشرت کے ساتھ ساتھ دیہی معاشرت سے متعلق موضوعات کی بھی بہترین انداز میں پیشکش کی ہے۔ حامد سراج کے افسانوں میں شامل دیہی کرداروں کے معاملات اور مسائل کے ساتھ ان کی نفسیاتی کیفیات اور ذہنی سطح کی نمایاں حیثیت میں عکاسی نظر آتی ہے۔ وہ مختلف پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے پس منظر میں اپنے کرداروں کی ذہنی صورتحال کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں میں علی اکبر ناطق کا نام نمایاں حیثیت میں نظر آتا ہے۔ ان کے بیشتر افسانوں میں دیہی کرداروں کی پیشکش ملتی ہے۔ علی اکبر ناطق کے افسانوی مجموعے "قائم دین" میں شامل افسانہ شریکے میں دیہی معاشرت کی ذیل میں عاقل خان اور دارے کے کردار مرکزی نوعیت کے حامل ہیں۔ یہ دونوں کردار دیہی معاشرت کے ساتھ وابستہ نظر آتے ہیں۔ افسانے میں چودھری دارے کا کردار حسب ذیل صورت میں اجاگر کیا گیا ہے:

> "یہ سکھڑا اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ حرام زادہ سور کی طرح اکڑ کر چلتا ہے۔ شوقا اس وقت غصے میں تھا۔ شوقا ذرا تحمل سے کام لو اور ٹھنڈے دل سے سوچو دارا بولا۔ دارا خان اب صبر نہیں ہوتا بات تحمل سے نکل گئی ہے۔ جاگیرے نے اپنے مونچھوں کو بل دیتے ہوئے کہا۔" (۴)

افسانہ "شریکے" میں شامل کرداروں میں عاقل خان کا کردار سب سے اہم حیثیت کا حامل ہے۔ یہ کردار اہم ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر افسانوی کرداروں سے منفرد حیثیت میں بھی نظر آتا ہے۔ عاقل خان اصل میں سکھ مذہب سے تعلق رکھتا ہے لیکن بعد ازاں سکھ مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر لیتا ہے۔ افسانے میں عاقل خان کا احوال دلچسپ پیرائے میں اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ کردار دیہی معاشرت کے ساتھ جڑا ہوا نظر آتا ہے۔ عاقل خان کے کردار کے پس منظر میں بعض دیگر دیہی کردار مثلاً مولوی وغیرہ بھی نظر آتے ہیں۔ جس سے دیہی معاشرت کی واضح صورت میں اجاگر ہوتی ہے۔ عاقل خان کے بقول اسلام اور اس صورت میں دیہات کے لوگوں کے جذبات و احساسات کا حسب ذیل صورت میں پیش کیا گیا ہے:

> "سردار جی شیر سنگھ، مسجد میں بیٹھا مولوی جان محمد سے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ یہ سن کر سردار جی کے ہوش اڑ گئے۔ خبر دھوئیں کی طرح اٹھی تو مائی دھیرا ں نے بین کرنا شروع کر دیا۔ گلی سردار نتھا سنگھ نے جلدی سے دلیر کو بھیجا کہ بھائی کو لے آؤ۔ اس نے لاکھ منت کی لیکن اس کو نہ آنا تھا نہ آیا۔ ادھر گاؤں میں شادیانے بجنے لگے۔ مولوی جان محمد نے شیر سنگھ کا نام عاقل خان رکھ دیا۔" (۵)

اکیسویں صدی کے افسانہ افسانہ نگاروں میں حفیظ خان کا نام بھی شامل ہے۔ ان کے افسانوں میں دیہی معاشرت میں دیہی کرداروں کا خصوصی حصہ شامل ہے۔ ان کے کردار دیہی معاشرت کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ ان کے بیشتر افسانوں میں شامل دیہی کردار، دیہی تہذیب و ثقافت اور دیہی طرزِ معاشرت کے آئینہ دار نظر آتے ہیں۔ ان کا ایک اہم افسانہ "تن من سریز" کے عنوان سے ہے۔ اس افسانے میں جام مراد کا کردار پیش کیا گیا ہے۔ جام مراد دیہی طرز حیات کا عکاس کردار ہے۔ افسانہ نگار نے اس کردار کے پس منظر میں دیہاتوں میں عمومی طور پر ہونے والے رشتوں کی نوعیت کو اجاگر کیا ہے:

> "جام مراد کی اراضی تو دو چار ایکڑ ہی تھی اور ماں باپ مر گئے تھے مگر مرتے مرتے ایک مصیبت گلے میں ڈال گئے۔ ایک اندھیڑ عمر زندہ اس کے لیے مصیبت ہی تو تھی اور وہ بھی اس کے چچا کی لڑکی۔ اس لیے جام مراد نے چپ سادھ لی۔ جب تک والدین زندہ رہے جیسے تیسے گزارا ہوتا رہا۔ پر اب تو جام مراد کو جنداں سے بات کرتے ہوئے بھی کراہت محسوس ہوتی۔ لاکھ ادھر ادھر ہوتا، لڑتا جھگڑتا پر جب کالے گوشت کا

پلاؤ پہاڑ سینے پر سوار ہو جاتا تو جوانی کا صدمہ اتارنا ہی پڑتا۔ اسی کھینچ کھینچا تانی میں دن گزرے جا رہے تھے۔"(۶)

اکیسویں صدی میں لکھے گئے اردو افسانے میں دیہی کرداروں میں مختلف طبقات کے عکاسی ملتی ہے۔ ان میں اعلیٰ اور نچلے طبقات خصوصیت سے شامل ہے۔ اردو افسانہ نگاروں نے ان کرداروں کے ذریعے معاشرتی سطح پر پائی جانے والی طبقاتی کشمکش کو بخوبی اجاگر کیا ہے۔ دیہی معاشرت میں وڈیرے اور جاگیر دار کے کرداروں کے ساتھ مزارع کا کردار بھی نظر آتا ہے۔ مزارع نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والا کردار ہے۔ اردو افسانے میں اس کردار کے پس منظر میں دیہی معاشرت میں اس طبقے کے ہونے والے استحصال کا احوال ملتا ہے۔ پروین عاطف کا ایک افسانہ "ٹافیاں" کے عنوان سے ہے۔ اس افسانے میں افسانہ نگار نے لال دین کا کردار پیش کیا ہے۔ لال دین ایک مزاراع کا کردار ہے جو کہ ایک زمیندار وحید چیمہ کی زمینوں سے وابستہ ہے۔ افسانے میں لال دین کے کردار کے پس منظر میں حسب ذیل صورت میں جاگیر داروں کی طرف سے اپنے مزاروں کے ہونے والے استحصال کا احوال بیان کیا گیا ہے:

"وحید چیمہ کے لیے بے مہار لڑکوں کی بے وجہ بدتمیزی کا دکھ تو تھا لیکن مٹی کی ڈھیر تو اسے اپنے مالک محمد حسین چٹھہ نے کر دیا۔ جس نے ساری بات منشی کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے سن کر کہا تھا۔ بوڑھا ہونے کے ساتھ ساتھ خفتائی ہو گیا ہے۔ لال دین کبھی اپنی بزرگی کا مان بھی رکھ لیا کر۔ لال دین کے خاندان کو محمد حسین چٹھہ کی زمینیں اپنی ہتھیلیوں سے مسل مسل کر قدم کرتے کرتے بیس برس گزر چکے تھے۔ اب تو اس کے بیٹوں کے ہاتھ کے لگائے ہوئے کنوں اور آم بھی ٹیکسٹائل کی مل بنتے جا رہے ہے تھے۔ چٹھ صاحب کے لیے پھر انہوں نے یہ بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اس طرح اڑائی جیسے لال دین کی حیثیت بھی محض کھرلی میں بندھی ہوئی بوڑھی بھینس جیسی ہو۔"(۷)

جدید معاشرت میں سائنسی ایجادات اور ٹیکنالوجی کی روز افزوں ترقی کی بدولت تہذیبی و تمدنی سطح پر اختلاط کی صورتیں پیدا ہوئی ہیں۔ فاصلے مٹ جانے کی وجہ سے دیہی اور شہری تہذیبوں کے مابین مخلوط طرز کے رویے پروان چڑھے ہیں۔ بہت سی ایسی نئی اقدار اور روایات ہیں جنہیں شہروں اور دیہاتوں میں یکساں صورت میں پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ اردو افسانے میں بھی حوالے سے کرداروں کی پیشکش ملتی ہے۔ پروین عاطف کا ایک افسانہ "بے خبر' کے عنوان سے ہے۔ انہوں نے دیہات کے کردار شابو لوہار کے حوالے سے حسب ذیل صورت میں اس پہلو کا تذکرہ کیا ہے:

"شابو لوہار، جسے اب گاؤں والے شہاب صاحب کے نام سے پکارتے ہیں۔ اسے عنایت اللہ نے جرمنی بجھوایا تھا اب وہ اپنے بی ایم ڈبلیو لے کر نکلتا ہے تو آپ جیسے کتابوں کے کیڑے قوم کے ذہن بلند کرنے کے خواب دیکھنے والے دیش بدھو بھی خوفزدہ ہو کر راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔"(۸)

افسانہ بے خبر میں شیر از کا کردار بھی شامل ہے۔ شیر از دیہی معاشرت سے جڑا ہوا ایک کردار ہے لیکن وہ روایت پسندانہ فکر کا عامل نہیں بلکہ اس کی سوچ میں جدت پائی جاتی ہے۔ شیر از خود کو محض اسے کتابیں پڑھنے تک محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنے معاشی حالت بہتر بنانے کی فکر میں بھی مبتلا نظر آتا ہے۔ افسانہ نگار نے افسانے میں شیر از کے کردار کے پس منظر میں نئے عہد کے نوجوان کی فکری کروٹ کو اجاگر کیا ہے۔ افسانے میں شیر از کے کردار کے پس منظر میں افسانہ نگار نے دیہی معاشرت میں نوجوان طبقے میں پیدا ہونے والے فکری بدلاؤ کو اجاگر کیا ہے۔ افسانے میں شیر از اور اس کے والد کے مابین ہونے والے مکالمے کو حسب ذیل صورت میں اجاگر کیا گیا ہے:

"سمجھتے کیوں نہیں ابو؟ شیر از نے اپنے باپ کے سامنے حدِ ادب قائم رکھتے ہوئے ناخوشگواری سے کہا۔ حالانکہ اس کا جی چاہتا تھا کمبل میں لپیٹ کر رومی کی مثنوی سامنے رکھے، تخت پوش پر بیٹھے اپنے والد سے چیخ چیخ کر کہے کہ مسٹر محمد حسین ہیڈ ماسٹر! آپ از خود زندگی میں ایک ناکام انسان ہیں۔ ایک پسماندہ ملکوں کی پسماندہ اقدار سے بندھے۔ آپ کی چوٹھے چکی پرداری حب الوطنی نے توکل، قناعت میرے خوابوں کا دم گھوٹنے کے علاوہ کچھ اور نہیں کر سکتی۔ آج آپ میرے کسی ترقی یافتہ قوم کا حصہ بن جاتے۔ ذاتی کاوشوں

میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہیں۔"(۹)

افسانہ بے خبر میں جہاں شیراز کا کردار روایتی اقدار اور روایات سے بغاوت کرتا نظر آتا ہے۔ وہیں ماسٹر محمد حسین کا کردار دیہی روایت سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ جب شیراز بیرون ملک جانے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے تو ماسٹر محمد حسین شیراز کی اس خواہش کے خلاف مزاحمت اختیار کرتے ہوئے اسے باہر کے ملک کے مسائل سے خبردار کرتے ہیں۔ ماسٹر محمد حسین کا کردار جذبہ حب الوطنی سے سرشار نظر آتا ہے۔ وہ بیٹے کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے باور کرانا چاہتا ہے کہ خواہ غربت ہو یا عمارت ہو، اپنا ملک ہو، اپنا وطن، بیرون ممالک سے ہزار درجے بہتر ہے۔ ایک محب وطن شہری پر لازم ہے کہ وہ لاکھ آسائشوں کو بھی وطن کی محبت پر نچھاور کر دے۔ افسانے میں اس تمام تر صورتحال کو ماسٹر محمد حسین کی اس کے بیٹے شیراز سے ہونے والے مکالمے میں بیان کیا گیا ہے۔ ماسٹر محمد حسین کے مکالموں سے ان کے جذبہ حب الوطنی کے ساتھ ساتھ ان کے مزاج میں پائے جانے والی مشرقی روایات اور اقدار کی جھلک نظر آتی ہے:

"ممٹی پہ بیٹھے کوؤں کی کائیں کائیں میں کسی کی آمد کا سندیش نہیں تھا۔ میں سمجھتا ہوں۔ سب سمجھتا ہوں۔ تم خوفزدہ ہو۔ تم دوڑنا چاہتے ہو۔ باگیں چھڑا کر۔ اپنی دوڑ دوڑنے کا وقت ہے تمہارا، لیکن ہمارا تحفظ اور امن میری بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ بہت ہسٹریا ہے۔ بڑی دنیاؤں میں۔۔۔۔ آپا دھاپی پڑی ہے۔ وہ ایجنٹ جسے تم ساتھ لے کر میرے سکول آئے تھے۔ وہ کسی ایک اجنبی سنگ دل ملک کے بارڈر پار پھینکنے کے لاکھ روپے مانگ رہا ہے تم سے۔ اس کے بدن سے متعفن بو کے بھبھو اٹھ رہے تھے۔ دوسروں کی ہڈیوں سے وہ گوشت نوچ کر کھانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ ماسٹر محمد حسین نے حقے کا کش لگاتے ہوئے کہا۔"(۱۰)

دیہی طرز معاشرت کے حوالے سے لکھے گئے افسانوں میں بھی منفی رویے کی پیشکش ملتی ہے۔ نیلم احمد بشیر کا ایک افسانہ "اپنی اپنی مجبوری" کے عنوان سے ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے دیہی معاشرت کے پس منظر میں نذیر حسین کے کردار کو اجاگر کیا ہے۔ یہ کردار بظاہر دیندار نظر آتا ہے اور صوم و صلاۃ کی پابندی کرتا ہے لیکن اس کا دخل اس کے ظاہر سے مختلف ہوتا ہے۔ افسانے میں اس کے دوہرے رویے کو اجاگر کرتے ہوئے اس کے بیوی کے ساتھ رواں رکھے جانے والے رویے کو پیش کیا گیا ہے۔ افسانے میں سلمیٰ کا کردار کی معتوب کردار کی صورت میں جھلک نظر آتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے ناروا رویے کو خاموشی اور صبر سے برداشت کرتی نظر آتی ہے۔ افسانہ نگار نے نذیر حسین کو روایتی مرد کی صورت میں پیش کیا ہے۔ وہ عورت کی تذلیل اور مار پیٹ کر کے شرمساری محسوس نہیں کرتا بلکہ اپنے اس عمل کو مردانہ اوصاف کا نام دیتا ہے:

"اس کے شوہر نذیر حسین کا پارہ چڑھ گیا تھا۔ وہ کسی امریکن ٹیک کی طرح اسے روند ڈالنے اور اس پر چڑھ دوڑنے کو تیار کھڑا تھا۔ سلمیٰ سہم کر چپکے سے دروازے کے پیچھے دبک گئی۔ میاں جی نے اندر آتے ہی اسے بالوں سے پکڑا اور ایک زوردار جھٹکا دے کر زمین پر گرا دیا اور ساتھ ہی تھپڑوں، ٹھڈوں، گھونسوں کے تمغوں سے بھی نوازنا شروع کر دیا۔ مردار کمینی اتنی دیر سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہوں مگر دروازہ ہی نہیں کھول رہی۔ کم بخت بہری ہو گئی تھی کیا سنائی نہیں دیتا۔ گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔ حرام خور تجھی شرم نہیں آتی۔ اتنے دنوں بعد خاوند گھر آئے اور تو پڑی سوتی رہی ہے۔ دروازہ ہی نہیں کھولتی۔ تجھے اتنی نیند ہی آجاتی ہے کیا۔"(۱۱)

شہری اور دیہی طرزِ معاشرت کے مابین ایک حدِ فاصل نظر آتی ہے۔ ان دونوں حوالوں سے زندگی کے اقدار روایات اور پہلو مختلف حیثیت میں شمار ہوتے ہیں۔ شہری کرداروں کے طرز زندگی شہری کرداروں سے اور دیہی کرداروں کا طرزِ زندگی شہری کرداروں سے متعدد پہلوؤں سے مختلف حیثیت میں نظر آتا ہے۔ شہروں میں دیہاتوں سے کردار عمومی طور پر روزگار کی تلاش میں سفر کرتے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"دیہات سے شہر کی طرف آمد و رفت فی نفسہ اس حرکت کی طرف متوجہ کراتی ہے جس سے تصادم عمل میں آتا ہے اور سینکڑوں نئی کہانیوں کو جنم مل جاتا ہے۔ اسی زاویے سے دیکھیے تو اردو افسانے میں کردار کو

نمایاں کرنے میں دیہات کی عطا ایک انفرادی نوعیت رکھتی ہے۔"(۱۲)

نیلم احمد بشیر کا ایک افسانہ "تھوڑی کھلی تھوڑی بند آنکھیں" کے عنوان سے ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے افسانے کے مرکزی کردار مظہر کے پس منظر میں اس پہلو کو اجاگر کیا ہے۔ مظہر دیہی معاشرت سے تعلق رکھنے والا کردار ہے۔ افسانے میں اس کردار کی دیہات سے شہرت کی طرف ہونے والی مراجعت اور اس صورت میں اس کی ذہین اور نفسیاتی صورتحال کو حسب ذیل انداز میں پیش کیا گیا:

> "گجرات شہر کے ایک نواحی قصبے سے جب وہ نکل کر لاہور کے بڑے میڈیکل کالج میں داخل ہوا تو بالکل ایک معصوم سا گاؤں کا لڑکا تھا۔ بڑے شہر میں آنے کی گھبراہٹ اور نئی جگہ نئے لوگوں سے ناواقف اس کی حالت بالکل اس مرغی کے بچے کی مانند تھی جو پہلی بار مرغی کے پروں کے نیچے سے نکل کر نئی دنیا دیکھتا ہے۔ ڈرا ڈرا سہا سہا جب پہلی بار اسے میڈیکل کالج کے ہاسٹل میں رات گزارنا پڑی تو اسے احساس ہوا کہ وہ اب تک صرف اپنی ماں کا چھوٹا سا بچہ تھا اور کچھ نہیں اس سے پہلے اس نے زندگی کی ہر رات اپنی ماں کے ساتھ سو کر گزاری تھی۔ ایک تنہا کمرہ اور محبت سے خالی بستر ساری رات وہ اپنی ماں کے دوپٹے کی خوشبو یاد کرکے خاموشی سے آنسو بہاتا رہا۔ اسے بھی خدشہ تھا کہ اگر اسے اس طرح ہوسٹل کے کسی لڑکے نے دیکھ لیا تو وہ اس کا بری طرح مذاق اڑائیں گے۔"(۱۳)

اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں شامل کرداروں میں بعض دہرے رویوں کے حامل کردار بھی شامل ہیں۔ یہ کردار دیہی معاشرت کے ساتھ جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایسے کرداروں کے پس منظر میں افسانہ نگار کا معاشرتی مشاہدہ اہم حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر خالد جاوید کا ایک افسان افسانہ بابا رحمتے کے عنوان سے ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے دیہی معاشرت کے پس منظر میں ایک بڑی عمر کے بابے کا کردار پیش کیا ہے۔ یہ کردار معاشرے کے ایسے افراد کی عکاسی کرتا ہے جو دو رویوں کے حامل ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کا مقصد دوسرے کے عیب تلاش کرنا ہوتا ہے۔ ایسے افراد معاشرے میں موجود دوسرے کرداروں کی حرکات و سکنات پر نظر رکھتے ہیں اور ان سے عیب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فکشن میں شامل کرداروں میں واقفیت کا پایا جانا ضروری ہے یہ واقفیت معاشرتی سطح پر کسی نہ کسی پہلو سے ہم آہنگ قرار پاتی ہے۔ اکیسویں صدی میں لکھے جانے افسانوں میں واقفیت کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر نجم الہدی فکشن میں شامل کرداروں کی نوعیت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس ذیل میں پائی جانے والی واقفیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "اس کے یہ معنی نہیں کہ کردار نگاری میں واقفیت نہیں ہو سکتی۔ کردار نگاری میں واقفیت کا مطلب بس اتنا ہے کہ افسانوی دنیا کے قوانین کے لحاظ رکھتے ہوئے افسانوی کردار قابل یقین معلوم ہوں۔ افسانوی دنیا کے قوانین جداگانہ ہیں۔"(۱۴)

نجم الہدی نے اپنی رائے میں فکشن میں شامل کرداروں میں واقفیت کی نوعیت کو اجاگر کیا ہے۔ افسانے میں شامل کرداروں میں واقفیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ کردار کسی نہ کسی اعتبار سے معاشرتی سطح سے ہم آہنگ نظر آئیں۔ اکیسویں صدی کے دیہی پس منظر میں لکھے گئے افسانوں میں بھی ان کرداروں میں واقفیت کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔ یہ کردار کسی نہ کسی اعتبار سے معاشرے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر خالد جاوید کا ایک افسانہ "جادوگر" کے عنوان سے ہے۔ اس افسانے میں ہامون جادوگر کے کردار شامل کیا گیا ہے۔ افسانہ دیہی معاشرت کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ افسانہ نگار نے اس افسانے میں ہامون جادوگر کو مرکزی کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ کردار مختلف دیہاتوں میں منعقد ہونے والے میلوں ٹھیلوں میں شریک ہوتا ہے اور کرتب دکھاتا ہے۔ ہامون جادوگر کے کردار میں اس اعتبار سے واقفیت کا پہلو پایا جاتا ہے کہ دیہی علاقوں میں منعقد ہونے والے میلوں ٹھیلوں میں اس طرز کے کردار عمومی طور پر پائے جاتے ہیں۔ افسانہ نگار نے ہامون جادوگر کا احوال حسب ذیل صورت میں پیش کیا ہے:

> "اس دفعہ گاؤں میں اعلان ہوا کہ ہامون جادوگر کچھ نئے اور خاص کرتب لا رہا ہے۔ اس لیے لوگوں میں اشتیاق بڑھ گیا تھا۔ اس کے کرتب دیکھنے کے لیے ایک بڑا مجمع موجود تھا۔ وہ نہ صرف کرتب دکھاتا تھا بلکہ

لوگوں کو اچھی اچھی باتیں بھی سناتا تھا۔ لوگ اس سے فلاسفر جادوگر کہتے تھے۔ مجمع بہت بڑا تھا۔ ہامون جادوگر درمیان میں موجود تھا۔ لوگ اس کے کرتب دیکھنے کے لیے بے چینی سے منتظر تھے۔ اس نے مجمعے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور بچے کو اپنے پاس بلا لیا کچھ دیر منتر پڑھتا رہا اور ہاتھوں کو عجیب طریقے سے حرکت دیتا رہا پھر اس نے جو نہی پھونک ماری بچے کے جسم سے سارا خون نکل گیا اور اس کا چہرہ بالکل سفید ہو گیا۔ بچے کا باپ یہ منظر دیکھ کر غش کھا کر گر پڑا۔ جادوگر نے پھر جلدی سے ایک منتر پڑا بچہ اپنی اصلی حالت میں واپس آ گیا۔ اچانک ای اس نے ایک ہی منتر پڑھ کر مجمعے میں کھڑے ایک اجنبی شخص پر پھونک ماری تو پتھر بن گیا۔ لوگوں نے اسے ہاتھ لگا کر دیکھا تو وہ واقعی پتھر کا تھا۔ اس نے پھر منتر پڑھ کر پھونکا تو آہستہ آہستہ انسان بن گیا۔"(۱۵)

دیہی افسانوں میں استحصال کا شکار ہونے والے چھوٹے زمیندار بھی شامل ہوتے ہیں۔ عمومی طور پر چھوٹے زمینداروں کو نچلے اور غریب طبقات میں شامل کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ ان کی زمینوں سے حاصل ہونے والے آمدنی محدود ہوتی ہے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات زندگی پوری کرنے سے بھی قاصر رہتے ہیں۔ اکیسویں صدی کی اردو فسانے میں دیہی معاشرت میں نچلے طبقات میں اس ذیل میں آنے والے چھوٹے زمینداروں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ خالد جاوید کا ایک افسانہ لالو بدمعاش کے عنوان سے ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے دیہی معاشرت کی ذیل میں چھوٹے اور معمولی نوعیت کے زمینداروں کو درپیش آنے والے مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ چھوٹے زمینداروں کا استحصال کرنے والے کرداروں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ افسانے میں وضاحت کی گئی ہے کہ کس انداز میں چھوٹے زمینداروں کی زمینوں پر قبضہ مافیا اور قبضہ کر لیتا ہے اور انہیں ان کے روزگار کے بنیادی وسائل سے محروم کر دیتا ہے۔ افسانے میں غلام رسول کا کردار مرکزی کردار کی صورت میں پیش کیا گیا:

"غلام رسول کی چند ایکڑ زمین تھی۔ جس پر وہ خود محنت مزدوری کر کے اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ گھریلو ضروریات پوری کرنے کے لیے وہ چودھری صاحب کی زمینیں بھی کاشت کرتا تھا۔ ایک دن حسبِ معمول وہ صبح سویرے زمینوں پر کام کرنے کے لیے پہنچا تو صورتحال دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اسے ہر طرف اسلحہ بردار لوگ نظر آ رہے تھے۔ وہ صورتحال سمجھ گیا اسلحہ بردار لوگوں نے اسے گالیاں دی اور دھکے دیکھ کر اسے اس کی زمین سے باہر نکال دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہ رہا کہ اس کی زمینوں پر ایک بااثر شخص کا قبضہ ہو چکا تھا۔ وہ مدد کے لیے اپنی برادری دوستوں کے پاس گئے لیکن ہر شخص نے اسے ٹکا سا جواب دیا کہ غلام رسول صبر و تحمل سے بیٹھ جاؤ ان طاقتور لوگوں سے کوئی پنگا نہیں لے سکتا۔"(۱۶)

اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں شامل سید قاسم محمود کا ایک افسانہ الو کا پٹھا کے عنوان سے ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے دیہی معاشرت کا بہترین نقشہ کھینچا ہے۔ افسانے میں مختلف کرداروں کے ذریعے گاؤں میں عرس کے حوالے سے ہونے والی تیاریوں اور اہتمام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ افسانے میں سلیم، سلیم کی ماں اور اس کے باپ کا کردار مرکزی کرداروں کی صورت میں پیش کیے گئے ہیں۔ افسانہ نگار نے دیہی معاشرت سے جڑے کوئی متعدد پہلوؤں کی عکاسی کی ہے۔

حمید شاہد کے افسانوی مجموعہ آدمی میں ایک افسانہ ملبہ سانس لیتا ہے کے عنوان سے ہے۔ یہ افسانہ دیہی پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ افسانہ ملبہ سانس لیتا ہے میں ماسٹر فضل کے کردار کو مرکزی کردار کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کردار دیہات میں موجود عمومی کرداروں کی عکاسی کرتا نظر آتا ہے۔ ماہِ رمضان میں جب نماز تراویح سے واپس لوٹتا ہے تو قران مجید کی تلاوت کرنا شروع کرتا ہے لیکن وہ تلاوت کرتے ہوئے روزانہ کی بنیاد پر پڑھنے کے لیے لگائے گئے حساب میں ناکام رہتا ہے:

"ماسٹر فضل جو ٹھیک ٹھاک آنکنے میں ناکام رہے تھے کہ انہوں نے کتنی دیر تلاوت کی تھی۔ رمضان کے عین آغاز میں وہ تخمینہ لگا چکے تھے کہ وہ روزانہ اتنا پڑھیں یہ تو 27 رات کو قرآن ختم ہو جائے گا، مگر جوں جوں روزے ایک ایک کر کے کم ہو رہے تھے ان کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی جس قدر پڑھنا چاہیے تھا وہ نہیں پڑھ پا رہے تھے۔ بعض روز تو یوں ہوتا کہ وہ اپنے 23 رات بھر تلاوت کرتے رہتے مگر جو ورق پلٹ

کر دیکھتے تو خود کو کوسنے لگتے اور شیطان مردود کو پھٹکار شروع کر دیتے۔"(۱۷)

پروین عاطف کا ایک افسانہ ٹافیاں کے عنوان سے ہے۔اس افسانے میں دیہی معاشرت کے پس منظر میں نچلے طبقے کے ہونے والے استحصال کی پیشکش نظر آتی ہے۔افسانہ نگار نے ان دیہی کرداروں کے پس منظر میں نسوانی کردار بھی شامل کی ہیں۔نسوانی کرداروں میں محمد حسین چٹھہ کی بیٹی تسنیم کا کردار بھی شامل نظر آتا ہے۔تسنیم کا کردار ایک ایسی دیہاتی لڑکی کو اجاگر کرتا ہے جو گاؤں کے جاگیر دار کی بیٹی ہے اور اس باپ اس کو اپنا سیاسی وارث بنانا چاہتا ہے۔اس غرض کے لیے وہ اس کی تعلیم مکمل کراتا ہے اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے اسے ولایت بھیج دیتا ہے۔افسانے میں اس تمام تر صورتحال کی پیشکش حسب ذیل صورت میں اجاگر کی گئی ہے:

> "مصیبت تو ساری محمد حسین چٹھہ کی ولایت پلٹ بیٹی تسنیم نے ڈال دی۔ جسے باپ نے لندن یونیورسٹی میں بھیجا تو اس لیے تھا کہ وہ باپ کے اعلیٰ سیاسی حیثیت کی وارث کے ساتھ اعلیٰ انگریزی تعلیم حاصل کرے اور آئندہ اسمبلی میں کسی کو کھڑا نہیں ہونے دے گی لیکن وہاں دو برس میں پتہ نہیں کیا ہوا ایک تو وہ بنگلہ دیش کے سیاسیات کے پروفیسر قدوسی جو نواکھل کے ساحلوں کے ساتھ اتنا ساسی پیچ پیچ کر اس مقام پر پہنچا۔ جس کی برصغیر کے تاریخ سیاسی حالات پر گہری نظر تھی۔ دوسرا لندن یونیورسٹی کی جمہوری فضا تسنیم کو لگ گئی۔ اس سے پہلے وہ زندگی کے کسی بھی سچ سے روشناس نہ تھی پھر قدوسی کے ساتھ برصغیر کی عورت کی سیاسی اور معاشی حیثیت پر تھیسز لکھتے لکھتے اس قدر خون کے آنسو رونے لگا اس کے اندر ایک نئے انسانی شعور کی سطح کھلنے لگی۔"(۱۸)

نیلم احمد بشیر کا ایک افسانہ اپنی اپنی مجبوری کے عنوان سے ہے۔اس افسانے میں شامل نسوانی کردار سلمیٰ کے تناظر میں معاشرتی صورتحال اجاگر کی گئی ہے۔افسانہ نگار نے سلمیٰ کو معاشرتی طور پر معتوب کردار کے طور پر پیش کیا ہے سلمیٰ کا شوہر نذیر حسین اس سے نارووا رویہ اختیار کرتا ہے اور مار پیٹ کرتا ہے لیکن وہ ان تمام رویوں کو صبر و شکر اور خاموشی سے برداشت کرتی نظر آتی ہیں۔افسانے میں سلمیٰ کے کردار کے پس منظر میں دیہی معاشرت میں عورت کے اس مقام مرتبے کی حیثیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔

اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں بعض نسوانی کرداروں کے ساتھ روایتی طرز کے رویوں اور جذبوں کا اظہار بھی ملتا ہے۔یہ کردار جذباتی اعتبار سے انسانی فطرت کا عمومی پہلو پیش کرتے ہیں۔ نیلم احمد بشیر نے اپنے افسانے میں تھوڑی کھلی تھوڑی بند آنکھیں کے نسوانی کرداروں میں ماں کا کردار بھی پیش کیا۔اس کردار کے تناظر میں ماں کی فطری محبت اور اس کے جذبات میں پائی جانے والی تڑپ کا اظہار ملتا ہے۔افسانہ نگار نے ماں کے جذبات کی پیش کش کرتے ہوئے ان جذبات کے پس منظر میں دیہی تہذیب میں پائی جانے والی تہذیبی اکائیوں کو بھی ابھارا ہے۔افسانے میں ماں کے کردار میں جذباتی سطح پر پائی جانے والی کشمکش بھی نظر آتی ہے۔ماں یہاں اپنے بیٹے کے ڈاکٹر بن کر امریکہ جانے پر خوشی کا اظہار کرتی ہے وہیں بیٹے کی جدائی پر افسردگی بھی اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔افسانے میں ماں کے فطری جذبات کے تناظر میں ان تمام پہلوؤں کی پیشکش کی گئی ہے۔

اکیسویں صدی کے اردو افسانہ بعض حوالوں سے بیسویں صدی کے اردو افسانے سے مختلف نظر آتا ہے۔اس ذیل میں کرداروں کی نوعیت بھی شامل ہے۔ اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں بعض ایسے کردار شامل نظر آتے ہیں جو بیسویں صدی کے اردو افسانے میں شامل یہ کردار معاشرت کی تبدیل ہوتی ہوئی نئی صورتوں کے عکاس قرار پاتے ہیں۔

اکیسویں صدی کے دیہی معاشرے میں بھی یہ رویے جاتے ہیں۔ اس تقابل میں جب شہری معاشرے کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو شہروں میں عمومی طور پر اس قسم کے رویے نہیں پائی جاتے۔اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں نے دیہی معاشرت کی ذیل میں پائے جانے والے رویوں کو بھی شامل کیا ہے۔ چوں کہ عورتوں میں اس حوالے سے زیادہ توہم پرستی پائی جاتی ہے اور وہ ان رویوں پر زیادہ یقین رکھتے ہیں۔اس ذیل میں اردو افسانے میں عمومی طور پر دیہی کرداروں کے پس منظر میں ان رویوں کے عکاسی ملتی ہے۔ نیلم احمد بشیر میں اپنے افسانے میں شیرے کی ماں کے کردار کے پس منظر میں ان خیالات کی پیشکش کی ہے۔

اکیسویں صدی کے بعض افسانہ نگاروں کے ہاں دیہی پس منظر میں شامل بچوں کے کردار روایتی طرز میں اجاگر ہوئے ہیں۔اس ذیل میں آنے والے دیہی معاشرت میں چلنے والی ماضی کی روایات اور بعض اقدار کے عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید شیخ کے متعدد افسانوں میں دیہی معاشرت کا پس منظر پایا جاتا ہے۔ڈاکٹر

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

حمید شیخ کا ایک افسانہ مقابلہ کے عنوان سے ہے۔ اس افسانے میں شامل دیگر کرداروں کے ساتھ ایک بچے کا کردار بھی شامل کیا گیا ہے۔ افسانے میں اس کردار کے پس منظر میں حسب ذیل صورت میں ایک دیہاتی سکول کا احوال پیش کیا گیا ہے:

"کلاس روم میں داخل ہوتے ہی ماسٹر صاحب کی نگاہیں محمد حسین پر پڑی۔ میں نے تمہیں کتنی بار کہا کہ کلاس روم میں دھوتی پہن کر نہ آیا کرو۔ مگر تمہارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ محمد حسین اپنے قصبے کے سکول میں دسویں جماعت میں پڑھتا تھا اور ساتھی طلبہ میں عمر کے لحاظ سے پانچ چھ سال بڑا تھا۔ ماسٹر صاحب کی ڈانٹ سن کر ہر بار شرمندہ ہو جاتا لیکن منہ سے کچھ نہ کہتا۔ اس روز بھی اس نے اپنا منہ شرم سے جھکا لیا۔"(۱۹)

دیہی معاشرت کی ذیل میں لکھے جانے والے افسانوں میں جہاں دیگر پہلوؤں کی عکاسی بھی نظر آتی ہے۔ وہیں میلے ٹھیلوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اکیسویں صدی کے اردو افسانوں میں بھی دیہی معاشرت کا یہ روایتی انداز نظر آتا ہے۔ ان میلوں میں عمومی طور پر اجتماعی طرز کی ذیلی کرداروں کی پیشکش نظر آتی ہے۔

دیہاتی معاشرے کی عکاسی میں لکھے گئے افسانوں میں عمومی طور پر ملک صاحب اور چوہدری صاحب کے کردار اعلیٰ طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ کردار بعض اوقات معاشرتی سطح پر ہونے والے استحصال کا سبب بھی قرار پاتے ہیں۔ اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں بھی ان کرداروں کو ان کے روایتی پس منظر میں اجاگر کیا گیا ہے۔

اکیسویں صدی کی اردو افسانے میں دیہی معاشرت کے مختلف پہلوؤں کے پس منظر میں دیہی کرداروں کی ذہنی اور جذباتی کیفیات کی پیشکش بھی ملتی ہے جس سے ان کرداروں کی نفسیات اور ان کی ذہنی سطح اجاگر ہوتی ہے۔ ان پہلوؤں میں خوشی اور غم کے مواقع بھی شامل ہیں۔ دیہی کرداروں کی خوشی اور مسرت کے موقع میں عرس اور میلے بھی شامل ہیں۔ عرس میں عمومی طور پر کسی دربار پر منعقد ہوتے ہیں۔ میلے بھی صرف خوشی اور نشاط کی کیفیت کی جھلک نظر آتی ہے۔ جب کہ عرس کے ساتھ عقیدت اور احترام کے رویے بھی وابستہ ہوتے ہیں۔ عرس عموماً کسی بزرگ کے مزار پر منعقد ہوتے ہیں اور ان میں اہل علاقہ کے علاوہ دوسرے دیہاتوں سے بھی لوگ شریک ہوتے ہیں۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں عرس کو تہوار کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

اکیسویں صدی کے اردو افسانہ نگاروں میں حامد سراج کا نام بھی اہم حیثیت کا اہم حیثیت میں نظر آتا ہے۔ حامد سراج کے دیہی افسانوں میں ان کے مشاہدے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ اپنے افسانوں میں تحیر آمیز صورتحال کی پیشکش کرنے کی بجائے عمومی طور پر اپنے مشاہدات کو بنیاد بناتے ہیں۔

اکیسویں صدی کے پاکستانی اردو افسانے میں دیہی کرداروں کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ معاصر افسانہ نگاروں نے دیہی معاشرت کو محض ایک پس منظر کے طور پر استعمال نہیں کیا بلکہ اس کے کرداروں کے ذریعے معاشرے کی تہذیبی، معاشی، طبقاتی، نفسیاتی اور فکری صورتِ حال کو گہرائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ دیہی کردار اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں اپنی روایتی شناخت برقرار رکھتے ہوئے بدلتے ہوئے زمانے کے اثرات بھی قبول کرتے ہیں۔ اس طرح یہ کردار روایت کے تسلسل اور جدید تبدیلی کے درمیان ایک اہم ربط کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔

اکیسویں صدی کے افسانہ نگاروں نے دیہی معاشرت کے مختلف طبقات کو یکساں اہمیت نہیں دی بلکہ معاشرتی ساخت کے متعدد درجات کو کرداروں کے ذریعے نمایاں کیا ہے۔ وڈیرے، جاگیردار، زمیندار، مزارع، مزدور، چھوٹے کسان اور دیگر نچلے طبقات کے کرداروں کے وسیلے سے طبقاتی تفاوت اور استحصال کی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں۔ بالخصوص مزارع اور چھوٹے زمیندار کے کردار اس معاشی نظام کی عکاسی کرتے ہیں جس میں طاقت ور طبقہ کمزور طبقے کے بنیادی حقوق اور وسائل پر قابض دکھائی دیتا ہے۔

دیہی کرداروں کی پیشکش میں نسوانی کردار بھی خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ اکیسویں صدی کے اردو افسانہ نگاروں نے دیہی عورت کو محض روایتی اور پس منظر کے کردار کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اس کے مسائل، محرومیوں، معاشرتی جبر، گھریلو تشدد، سماجی پابندیوں اور بدلتے ہوئے شعور کو بھی موضوع بنایا ہے۔ نیلم احمد بشیر اور پروین عاطف کے افسانوں میں عورت کے مسائل کے ساتھ ساتھ اس کے اندر پیدا ہونے والے نئے شعور اور سماجی حالات سے اس کے تعلق کی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں۔

Vol. 3, No. 1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اکیسویں صدی کے پاکستانی اردو افسانے میں دیہی کردار ایک وسیع اور متنوع انسانی و معاشرتی تجربے کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان کرداروں کے ذریعے دیہی تہذیب و ثقافت، روایتی اقدار، طبقاتی کشمکش، معاشی استحصال، عورت کے مسائل، توہم پرستی، مذہبی تصورات، ہجرت، جدیدیت اور نفسیاتی کشمکش جیسے متعدد موضوعات سامنے آتے ہیں۔ یوں معاصر اردو افسانہ دیہی کردار کو ماضی کی محض روایتی علامت کے طور پر پیش کرنے کے بجائے بدلتے ہوئے عہد کے فعال اور متحرک انسان کے طور پر سامنے لاتا ہے۔ اس اعتبار سے اکیسویں صدی کا پاکستانی اردو افسانہ دیہی معاشرت کے تسلسل اور اس میں رونما ہونے والی تبدیلیوں دونوں کا مؤثر ادبی دستاویز بن جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر۔ اردو افسانے کی کروٹیں، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۱۔ ص ۳۴

۲۔ ایضاً۔ ص ۳۷

۳۔ منشا یاد۔ یہ جو عورت ہے۔ ایک تاثر، مشمولہ، یہ جو عورت ہے، از حفیظ خان، الحمد للہ پبلکیشنز، لاہور، ۲۰۰۳۔ ص ۱۳

۴۔ علی اکبر ناطق۔ قائم دین۔ آکسفورڈ پریس، لاہور، ۲۰۱۲۔ ص ۶۳

۵۔ ایضاً۔ ص ۶

۶۔ حفیظ خان۔ یہ جو عورت ہے۔ الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳۔ ص ۶۶

۷۔ پروین عاطف۔ میں میلی بہا اجلے۔ الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۳۔ ص ۲

۸۔ ایضاً۔ ص ۲

۹۔ ایضاً۔ ص ۱۱۴

۱۰۔ ایضاً۔ ص ۱۱۲

۱۱۔ نیلم احمد بشیر۔ جگنوؤں کے قافلے۔ الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۶۔ ص ۲۸

۱۲۔ انور سدید، ڈاکٹر۔ اردو افسانے کی کروٹیں۔ مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۱۔ ص ۳۱

۱۳۔ نیلم احمد۔ بشیر جگنوؤں کے قافلے۔ ص ۱۱۶

۱۴۔ نجم الہدی، ڈاکٹر۔ کردار اور نگاری۔ اردو اکیڈمی، بہار، ۱۹۸۰۔ ص ۵۱

۱۵۔ خالد جاوید، ڈاکٹر۔ سر بریدہ سائے۔ ص ۱۰۳

۱۶۔ ایضاً۔ ص ۱۸۶

۱۷۔ حمید شاہد۔ آدمی۔ مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۳۔ ص ۲۹

۱۸۔ پروین عاطف۔ میں میلی بہا اجلے۔ ص ۵

۱۹۔ حمید شیخ، ڈاکٹر۔ الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۱۔ ص ۴۰